

## اقبال اور عصری نظام تعلیم

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اقبال نے جب اپنی بصیرت سے جدید نظام کا جائزہ لیا تو انھیں چند بہت بڑی کمزوریاں اور خامیاں نظر آئیں جنھیں انھوں نے اپنی تنقید اور صاف گوئی کا نشانہ بنایا اور ماہرین تعلیم کو اس طرف توجہ دلانے کی کوشش کی، وہ جہاں مدرسہ اور طالب علم کے جرم کا ذکر کرتے ہیں، وہاں اس سے مراد مغربی مدارس اور اس کے طلبہ ہی ہوتے ہیں، ان کے خیال میں اس نظام دانش نے نئی نسل کے حق میں سب سے بڑا جرم کیا ہے، وہ مدرسہ و خانقاہ دونوں سے بیزار نظر آتے ہیں جہاں نہ زندگی کی چل چل پھل ہے نہ محبت کا جوش و خروش، نہ حکمت و بصیرت ہے نہ فکر و نظر۔

اٹھائیں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک

نہ زندگی نہ محبت، نہ معرفت نہ نگاہ

وہ دانش کدوں کی کو رنگاہی و بے ذوقی اور خانقاہوں کی کم طلبی و بے توقیفی دونوں سے

نالائلاں اور دونوں سے گریزاں ہیں:-

جلوتیان مدرسہ کور نگاہ مردہ ذوق

خلوتیان میکدہ کم طلب و تہی کدو

عصری دانشگاہوں کا ظلم عظیم

اقبال کی یہ سنجیدہ رائے ہے کہ تعلیم جدید نے نئی نسل کی صرف عقلی اور ظاہری تربیت سے اعتناء اور قلب و روح کی نشوونما، روحانی ارتقاء، اخلاق کی پاکیزگی اور تزکیہ، نفس سے غفلت کر کے اس پر سب سے بڑا ظلم کیا ہے، جس کے سبب اس کے قوی غیر متوازن، اور اس کی اٹھان غیر متناسب ہوئی ہے اور اس کی زندگی ہم آہنگی کے بجائے بے اعتدالیوں کا نمونہ بن گئی ہے، نئی نسل کے ظاہر و باطن، عقل و روح، علم و عقیدہ کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا ہو گئی ہے۔

اسکی عقل باریک مگر روح تاریک ہے اور اسکے ذہنی ارتقا کے ساتھ اس کا روحانی زوال بھی اسی حساب سے ہو رہا ہے، وہ نئی نسل کو بہت قریب سے جانتے تھے اس لئے جب بھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے یا کوئی بات کہتے ہیں تو وہ واقعہ کی تصویر ہوتی ہے، ان کا کہنا ہے کہ نئی نسل کا پیمانہ، خالی، اس کی روح پیاسی اور تاریک ہے، مگر اس کا چہرہ بہت تازہ و بارونق اور اس کا ظاہر بہت چاق و چوبند ہے اس کی عقل روشن مگر بصیرت اندھی ہے، بے یقینی اور

یاس و قنوط ان کی زندگی کا حاصل اور محرومی ان کی قسمت ہے، یہ نوجوان انسان نہیں انسانوں کی لاش ہیں، وہ اپنی ذات کے منکر ہیں، مگر دوسروں پر ایمان لاتے ہیں، اغیار و اجانب ان کے اسلامی خمیر سے دیر و کلیسا کی تعمیر کر رہے ہیں، اور ان کی صلاحیتیں ”صرف درمیکدہ“ ہو رہی ہیں، سخت کوشی اور جفاکشی کے بجائے نرمی اور تن آسانی، لذت طلبی اور عیش کوشی ان کا مسلک بنتی جا رہی ہے۔

ان کی پست ہمتی کا یہ حال ہے کہ امیدیں اور آرزوئیں پیدا ہی نہیں ہوتیں یا پیدا ہوتے ہی گھٹ کے مرجاتی ہیں نئی دانشگاہوں نے ان کے دینی جذبات کو پوری طرح سلاویا اور ان کے وجود کو ہم نفس دم بنا دیا ہے۔

اپنی ذات اور اپنی شخصیت سے ناواقفیت اور اپنی صلاحیتوں سے بے پروائی ان میں عام ہے مغربی تہذیب کے زیر اثر وہ اپنی روح کا سودا روٹی کے چند ٹکڑوں پر بھی کرتے اور ضمیر فروشی کر سکتے ہیں، ان کے معلم بھی ان کی قیمت اور حیثیت عرفی سے نا آشنا ہیں، اس لئے انہوں نے ان کو شرف و عظمت کے راز سے آگاہ نہیں کیا، وہ مومن ہیں، لیکن موت کی لذت سے بے خبر، اور توحید کی طاقت سے ناواقف، وہ فرنگ سے تہذیب کے لات و منات کی درآمد کرنے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتے فرزند حرم ہو کر بھی ان کا دل ”طواف کوئے ملامت“ اور ”سجدہ پائے صنم“ سے متنفر نہیں، فرنگ نے انہیں بغیر حرب و ضرب اور قتل و غارت کے بھی مار ڈالا ہے، ان کی عقلیں بے جھجک، ان کے دل پتھر، اور نگاہ بیباک ہے، ان کے قلوب بڑے سے بڑے حوادث کی چوٹ سے بھی نہیں پکھلتے ان کے علم و فن، دین و سیاست، عقل و دل، سب کا مرکز مادہ ہے، ان کے دلوں میں افکار تازہ کی کوئی نمود نہیں، ان کے خیالات میں کوئی بلندی نہیں، ان کی زندگی پر جمود و تعطل کی برف جمی ہوئی ہے۔

یہ بتان عصر حاضر بنے ہیں مدرسے میں  
شکایت ہے مجھے یارب خدو نداں مکتب سے  
گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا  
مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے  
مے یقین سے ضمیر حیات ہے پرسوز  
یہی زمانہ حاضر کی کائنات ہے کیا  
آہ مکتب کا جوان گرم خوں  
نوجواناں تشنہ لب خالی ایام  
کم نگاہ و بے یقین و نا امید  
ناکسان منکر زخود مومن بغیر

نہ ادائے کافرانہ نہ تراش آذرانہ  
سبق شاہیں بچوں کے دے رہے ہیں خاکبازی کا  
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ  
خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے  
نصیب مدرسہ یارب یہ آب آتشناک  
دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بے باک  
ساحرا فرنگ کا صید زلوں  
شستہ و تاریک جاں، روشن دماغ  
چشم شاں اندر جہاں چیزے ندید  
خشت بنڈاز خاک شاں معمار دیر

اقبال نئی نسل کے نوجوانوں سے کیا توقعات اور ان کے متعلق کیسے بلند خیالات رکھتے ہیں، اس کا اندازہ ان کے اشعار سے ہو سکتا ہے:-

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے  
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کند

ایک قطعہ میں کہتے ہیں:-

جوانوں کی مری آہ سحر دے پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پردے  
خدایا آرزو میری یہی ہے مرا نور بصیرت عام کر دے

”خطاب بہ جوانان اسلام“ اور دوسری نظموں میں ان کی امیدوں اور آرزوؤں کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے، طلباء علی گڑھ کالج کے نام ”عشق کے درد مند“ نے اپنے پیغام میں صاف صاف کہا:-

جذب حرم سے ہے فروغ انجمن حجاز کا  
اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے

ان کی نظم ”ایک نوجوان کے نام“ میں ان کے احساسات بڑی وضاحت سے آگئے ہیں۔

|                                           |                                           |
|-------------------------------------------|-------------------------------------------|
| لو بجھو رلاقی ہے جوانوں کی تن آسانی       | ترے صوفے میں افرنگی ترے قالین ہیں ایرانی  |
| نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی   | امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل   |
| کہ پاپی میں نے استغنائیں معراج مسلمانی    | نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں |
| نظر آتی ہے اٹکو اپنی منزل آسمانوں میں     | عقاب کی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانو نہیں   |
| امید مرد مومن ہے خدا کے رازدانوں میں      | نہ ہو نومید، نومیدی زوال علم و عرفان ہے   |
| تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں | نہیں تیرا نشین قصر سلطانی کے گنبد پر      |

وہ جب مسلم نوجوانوں کو اسلام کے بجائے دوسرے فلسفوں سے متاثر اور مرعوب دیکھتے ہیں تو فطری طور پر انھیں صدمہ ہوتا ہے اپنی نظم ”ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام“ لکھتے ہیں

|                           |                          |
|---------------------------|--------------------------|
| تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا | زناری برگسان نہ ہوتا     |
| انجام خرد ہے بے حضوری     | ہے فلسفہ زندگی سے دوری   |
| افکار کے نغمہ ہائے بے صوت | ہیں ذوق عمل کے واسطے موت |
| دیں مسلک زندگی کی تقویم   | دیں سر محمدؐ و براہیمؑ   |

دل درخن محمدی بند اے پور علی ز بو علی چند  
چوں دیدہ راہ میں نداری قاید قرشی بہ از بخاری

اقبال نئی نسل کی بے ہمتی اور اس کی اخلاقی پستی کا ذمہ دار موجودہ نظام تعلیم کو قرار دیتے ہیں جس کے ہاں اخلاق پر کوئی زور نہیں اور نہ تربیت کا کچھ خیال ہے وہ کہتے ہیں کہ آجکل کے نوجوانوں کے دل سوزدروں سے خالی اور ان کی نظریں غیر عقیف ہیں، تعلیم یافتہ نوجوان کی زبان بہت تیز ہے، لیکن اس کی آنکھوں میں اشک ندامت اور دل میں خوف و خشیت ذرا بھی نہیں۔

جو آنکھ کہ ہے سرمہ افرونگ سے روشن  
پر کار و خن ساز ہے نم ناک نہیں ہے

وہ ان سب باتوں کے لئے کالجوں اور یونیورسٹیوں کو مورد الزام قرار دیتے ہیں جنہوں نے نوجوانوں کو اپنے جال میں جکڑ رکھا ہے، اور ان کی فطرت مسخ کر کے رکھ دی ہے، وہ دوسرا ذمہ دار حد سے بڑھی ہوئی ”عقلیت“ کو بھی سمجھتے ہیں، جو اولوالعزمیوں اور پرخطر راہوں سے روکتی، اور ہر قدم پر مصلحت سنجی اور عاقبت بینی کا بہانہ تراشتی رہتی ہے۔

اقبال کی نگاہ میں اس ذہنی انحطاط کی ایک وجہ حد سے بڑھی مادہ پرستی اور اسباب طلبی، اور عہدوں، ملازمتوں، اور اونچی کرسیوں کو تعلیم کا مقصد سمجھنا بھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ بے مقصد افراد کے لئے علم دوائے نافع نہیں ستم قاتل و قاطع ہے اور ایسی رزق سے موت بہتر ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی  
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

مغربی تعلیم پر معاد کے بجائے معاش کا تصور جس طرح چھایا رہتا ہے وہ اس کے لئے جان لیوا ہے، اس تعلیم کا یہ فیض ہے کہ مرغ چمن محروم نوا اور فطرت بے رنگ ہو کر رہ جاتی ہے، روٹی بھی ہاتھ میں نہیں تھماتی اور دوسرے ہاتھ سے روح بھی قبض کر لیتی ہے۔

نوا ازنیہ مرغ چمن برد زخون لالہ آل سوز کمن برد  
بایں مکتب بایں دانش چہ نازی کہ نال در کف نداد و جان زتن برد

جدید تعلیم کے مجرمانہ کردار کا اقبال نے بے باکی سے پردہ چاک کیا اور اس کی دکھتی رگوں پر ہاتھ

رکھا ہے، حد سے زائد فکر معاش، ناروا مصلحت بینی اور عافیت گزینی، اور مصنوعی تہذیب، نقلی زندگی اس تعلیم کی نمایاں پیداوار ہیں، اقبال نے اس کی نشاندہی کی ہے:-

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے  
اس جنون سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا  
فیض فطرت نے تجھے دیدہ شاہین بخشا  
مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو  
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش  
جو یہ کتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش  
جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہ خفاش  
خلوت کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش  
(مدرسہ)

### تعلیم جدید پر اقبالؒ کی کڑی نکتہ چینی!

نئی تعلیم پر اقبال کے غم و غصہ اور سخت گیری کی ایک بنیاد یہ ہے کہ یہ تعلیم بطالت و تعطل، جمود و خمود، آرام طلبہ و لذت کوشی کی تعلیم دیتی ہے، اور زندگی کو بحرِ منجمد بنا دیتی ہے، وہ طالب علم کو دعا دیتے ہوئے کہتے ہیں:-

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے  
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں  
اسی طرح یہ تعلیم مغربی استعمار کا جھنڈا بن کر مشرق میں اس کی تہذیب اس کے افکار  
اور اس کے لئے مستقبل کے لئے نو آبادیات (COLONY) کی زمیں فراہم اور ہموار کرتی  
ہے، اور نوجوانوں کو افرنگ زدہ بناتی ہے اور بلند معیار زندگی کی ہوس پیدا کر کے نئے نئے  
مسائل (PROBLEMS) سامنے لاتی ہے:-

مشرق کی روایات و خصوصیات کو ختم کر کے وہاں وہ مغربی معاشرہ برپا کر دینا چاہتی ہے،  
جہاں بقول میکالے (شکل و صورت کے لحاظ سے مشرقی لیکن ذہن و طبیعت کے اعتبار سے مغربی  
انسان) پائے جانے لگیں۔

مغربی تعلیم پر اقبال کی تنقیدوں کا ایک پہلو یہ ہے کہ جس طرح اس کی بنیاد کفر و الحاد یا پھر  
ذہنی انتشار اور فکری انار کی پر ہے، اسی طرح وہ یہ تمام ذہنی بیماریاں نئے دماغوں میں اتار دیتی  
ہے، فکر و فلسفہ، آزادی رائے، حریت خیال اور آزادانہ غور و خوض (FREE THINKING) کے نام سے ذہنی بے ربطی اور پریشان خیالی کو جنم دیتی ہے، خیال  
کے خیال میں غلط بینی سے کور چشمی اور عالمانہ بیدینی سے نادانی بہتر ہے۔

|                              |             |     |        |
|------------------------------|-------------|-----|--------|
| زمن گیر اس کے مردے کو رچنے   | زمینائے غلط | بنے | نکو تر |
| زمن گیر اس کے نا دانے کو کیش | زدانشمند    | بے  | دینے   |

اقبال کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں کہ ان ذہنی جمناسکوں سے کیا حاصل جو انسان کو خلا باز اور ہوا پرواز بنا دیں لیکن اسکے جسے ہوئے قدم بھی اکھڑ جائیں اور وہ اپنا مقام بھی کھو بیٹھے۔

اس فکر فلک پیچہ حاصل کہ گرد ثابت و سیار گردد  
مثال پارہ ابرے کہ از باد بہ پہنائے فضا آوارہ گردد  
یہ نظام تعلیم انسان کو مشینوں، صنعتوں اور ترقیوں کے آگے بے قیمت و بے حیثیت بنا دیتا ہے، حالانکہ انسان ہی، مجرود کا گوہر مقصود اور مزرع ہستی کا حاصل ہے، دنیا کو انسان کے تابع ہونا چاہیے نہ کہ انسان کو دنیا اور متاع دنیا کے۔

منہ از کف چراغ آرزو را بدست آور مقام ہائے وہورا  
مشود رچار سوئے ایں جہاں گم بخود بار آو شکن چار سورا  
دو گیتی بخود باید کشیدن نباید از حضور خودر میدان  
بہ نور دوش میں امروز خودرا زدوش امروز رانتواں رلودن

(ارمغان حجاز)

اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو تو بندہ آفاق ہے وہ صاحب آفاق  
تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی وہ پاکی فطرت سے ہوا محرم اعناق  
(ضرب کلیم)

اقبال کی نظر میں فکر بشری، وحی الہی اور فیضان سماوی کے بغیر خام اور ناتمام رہتی ہے، اس لئے فکری ناچٹنگی کے باوجود اسے شروع سے آزاد اور بے قید کر دینا پریشان خیالی اور ٹولیدہ نگاہی کو دعوت دیتا ہے۔

آزادی فکر کے عنوان سے انھوں نے ایک بڑا بصیرت افروز اور معنی خیز قطعہ کہا ہے۔

آزادی افکار سے ہے انکی تباہی رکھتے نہیں جو فکر و تدبیر کا سلیقہ  
ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ  
(ضرب کلیم)

خیالات نے جس طرح دنیا میں ذہنی بے اطمینانی (MENTAL DISCONTENT)

پیدا کر دی ہے وہ بھی کالج کا عطیہ ہے جو ہر نئی ذہنی اچھ کو فلسفہ کا نام دے دیتا ہے۔

پر ہے افکار سے ان مدرسہ والوں کا ضمیر

خوب و ناخوب کی اس دور میں سے کسی کو تنہا

”عصر حاضر“ کے عنوان سے اقبال نے ایک قطعہ میں مشرق و مغرب کی بنیادی خرابیوں کو طشت ازبم کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ مشینی دور کی تیز روی اور غلت پسندی نے ہر شے کی پختگی ختم کر دی ہے، اور فلسفہ کو بے ربط بنا دیا ہے، دیار فرنگ میں عشق و محبت کو ان کا حقیقی مقام اسی لئے نہیں ملا کہ لادینیت نے اس کا کوئی مرکز باقی نہیں چھوڑا اور مشرق میں عقل کو صحیح مقام اس لئے نہیں ملا کہ افکار میں کوئی تسلسل نہ تھا۔

پختہ افکار کہاں ڈھونڈھنے جائے لہٰذا  
اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام  
مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر  
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام  
مردہ لا دینی افکار سے افرنک میں عشق  
عقل بے ربطی، افکار سے مشرق میں غلام  
(ضرب کلیم)

نظام تعلیم پر اقبال کی تنقید کا ایک رخ یہ ہے کہ وہ نوجوانوں میں مغرب کی اندھی تقلید اور خالص پیروی کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے، اور ان میں جدت و اجتہاد کا کوئی جذبہ نہیں بیدار کرتا، وہ کہتے ہیں کہ دنیا تو خود رسم و رواج میں جکڑی ہوئی ہے لیکن یہ دانش گاہیں، اس سے بھی تنگ انروں میں بند ہیں، ان میں جا کر عبقری دماغ بھی امامت عصر کے بجائے ابن الوقتی اور زمانہ سازی کرنے لگتے ہیں۔

مقصد ہو اگر تربیت لعل بدخشاں  
بے سود ہے بھٹکے ہوئے خورشید کا پر تو  
دنیا ہے روایات کے پھندوں میں گرفتار  
کیا مدرسہ کیا مدرسہ والوں کی تنگ و دو  
کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت  
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو  
(اساتذہ)

اقبال کہتے ہیں کہ نئی نسل کا وجود اس کا ذاتی نہیں بلکہ وہ یورپ کی پرچھائیں ہے، اور اس کی مصنوعی زندگی بھی مستعار ہے۔ نئی نسل جسم و مادہ کا وہ ڈھانچہ ہے جسے مغربی معماروں نے تعمیر کیا ہے، لیکن اس میں روح نہیں پھونکی ہے، اس کا وجود، وہ مرصع نیام ہے جس میں کوئی تیغ قاطع نہیں، اقبال بڑے مزے سے کہتے ہیں کہ نئی نسل کی نگاہ میں خدا کا وجود معدوم ہے لیکن میری نظر میں خود اس نسل ہی کا بود و وجود ہم نفس عدم ہے۔

ترا وجود سراپا تجلی افرنک  
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر  
مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی  
فقط نیام ہے تو زرنگار و بے شمشیر  
تری نگاہ میں ثابت نہیں ہوا  
نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا

وجود کیا ہے فقط جوہر خودی کی نمود کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا  
(افرنگ زردہ: ضرب کلیم)

اقبال کی رائے ہے کہ مغربی نظام تعلیم نے مسلم نوجوانوں کی معنوی روح کو کچلنے کی پوری کوشش کی ہے، اور انھیں مردان کار کے بجائے مرد بیمار بنا دیا اور بانکا سبیل، صباحت پسند بن کر رہنا سکھا دیا ہے، ان میں نزاکت و ملاحیت، نرمی اور تخنث اور نسائیت پیدا کر کے جدوجہد کی سرگرمیوں سے بہت دور کر دیا ہے، وہ کہتے ہیں، کہ میری نظر میں اس علم کی کوئی قیمت نہیں جو مجاہد سے اس کے مردانہ اوصاف چھین لے اور مصاف زندگی میں اسے سامان آرائش دے کر اس کے ہتھیار لے لے۔

اقبال بڑی درد مندی اور جاں سوزی کے ساتھ پر خلوص انداز میں نئی نسل کے مربی سے درخواست کرتے ہیں، وہ جب ایک شفیق استاذ اور مہربان و غنوار مربی کی زبان سے یہ کہتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے جہاں کا درد ان کے جگر میں اور پوری ملت کا غم ان کے وجود میں سمٹ آیا ہے۔

مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا  
دے انکو سبق خود شکنی خود نگری کا  
مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ گری کا  
دارو کوئی سوچ انکی پریشاں نظری کا  
مجھ کو بھی صلہ دے مری آشفته سری کا  
(اے پیر حرم: ضرب کلیم)

اے پیر حرم رسم ورہ خانقہ چھوڑ  
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت  
تو انکو سکھا خارہ شگانی کے طریقے  
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی  
کہ جاتا ہوں میں زور جنوں میں ترے اسرار

(ماخوذ از نقوش اقبال)

ماہنامہ خلافت راشدہ - پندرہ روزہ

مدائے قلم و دیگر رسالہ جات سپاہ صحابہؓ

کے بیج - سکرز - لڑپھر - جھنڈے - ٹوپیاں -

عطر - مسواکیں - و دیگر سامان شیشہ زنی

واحد اور ہر حرف ادارہ

مکتبہ قاسمیہ اندرون لوٹ مراد خان قہصور

## مکتبہ قاسمیہ

قرآن پاک - قاعدے - سپاہی - دینی -

ذہبی - جمہلی - اصلاحی - ادبی کتابیں اور مفت

روزہ ختم نبوت - مفت روزہ تمام الدین -

مفت روزہ ابابیل - مفت روزہ ترجمان اسلام

ماہنامہ الشریعت - ماہنامہ الحق - ماہنامہ بلند